مجموعہ مکاتیب حضرت سید احمد بریلویؒ

جناب نثار احمد صاحب فاروقی - دلی یونی ورسٹی لائبریری - دہلی-٦

حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کے فرامین، رقعات اور مکتوبات کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے۔ فہرست میں اگرچہ اس کا اندراج "مکاتیب سید احمد بریلیؒ" کے عنوان سے کیا گیا ہے لیکن اس میں بعض مکاتیب و رقعات حضرت شاہ اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ کے بھی شامل ہیں اور ایسے خطوط بھی ہیں جو متوسلین و معتقدین کی طرف سے حضرت سید صاحبؒ یا مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے نام آئے ہیں اور ان حضرات نے اُن کے جوابات لکھے ہیں۔ رقعات کا یہ مجموعہ معمولی درجہ کے خطِ نستعلیق میں لکھا ہوا ہے اور صفحہ ۴۶۲ پر تمام ہو جاتا ہے۔ ناقص الآخر ہونے کے باعث اس میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے جس سے سالِ کتابت یا کاتب کے نام کا علم ہو سکے۔ میں نے دورانِ مطالعہ میں جستہ جستہ کچھ یادداشتیں قلم بند کی تھیں ان کی روشنی میں اس نسخے کا تعارف پیش کرتا ہوں۔

ابتدا: (ص۱) رقعہ - "بسم اللہ الرحمن الرحیم"۔ سپاس بے قیاس و ستایش نیاز اساس مر حضرت خداوندے را جلت عظمتہ و عمت رحمتہ کہ مومنان پاک و مسلمان چست و چالاک را بفرمان واجب الاذعان فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ مخاطب فرمود و منافقین بد نہاد و معاندین پُر فساد را بوعید شدید قُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ۔ معاتب فرمود۔

(ص۲) ... می گوید ... خیر خواہ کافہ مسلمین ملقب بامیر المومنین کہ این اعلامی است عام بخدمت جمیع اہل اسلام خواہ اشراف کرام باشند خواہ اجلاف گمنام ... کہ مقصود خالق این جہان از خلقت نوع انسان اشتغال ایشانست بعبادت حضرت رب و اطاعت سید عربؐ نہ استغراق ایشاں در مشاغل لہو و لعب و محافل نشاط

و طرب ... (ص ۳) ... بر ذمۂ ہر خاص و عام کہ مدعی دینِ اسلام باشد این قدر لابدی است کہ در وقت معارضۂ نور و ظلام و مقابلۂ کفر و اسلام غیرت ایمانی را کار فرمایند و بر مقتضائے حمیت اسلامی عمل نمایند ... (ص ۴) ... وآنچہ در دل خداع منزل اہل شک و ریب و ارباب مکر و فریب خطور می کند کہ بہم رسیدن اسباب حرب و جنگ از جنس توپ و تفنگ و اجتماع عساکر ہزاران ہزار و خزائن بے عدد و شمار از شروط اقامت جہاد است، و فقدان آں باعث عذر عباد۔ پس این خیالیست پُراختلال و وہمے است سراسر باطل و محال ... (ص ۵) ... واتباعاً لسنۃ اللہ فراز سفرہ بر نشستیم و در بلاد ہند و سند و خراسان دور و سیر نمودیم و در تمامی آئین سیاحت فقط طالب خیر بودیم آخر الامر در مثل ایں بلاد دور دست گردیدہ و تمامی ایں کوہ و دشت نوردیدہ در اوطانِ یوسف زئی رسیدیم ..... آں مخلصین احباب و مومنین بلا ارتیاب مشارکۃ ایں فقیر و مناصرت دیں ربِ قدیر اختیار نمودند ..

اس اعلامیے کے بعد سید صاحب کے مکتوب شروع ہوتے ہیں۔ جن میں سے چند کا اشاریہ یہاں دیا جاتا ہے خطوط سے کہیں کوئی جملہ جس سے تحریکِ جہاد پر یا خود حضرت سید صاحب کی سوانح حیات پر روشنی پڑتی ہے۔ میں نے نقل کر لیا ہے وہ بھی بجنسہٖ یہاں نقل کرتا ہوں

(ص ۱۹) مکتوب بسردار یار محمد خان (ص ۲۱) بنام فقیر محمد خاں لکھنوی (ص ۲۳) رقعہ خان خاناں غلجائی (ص ۲۶) جواب خط خان خاناں (ص ۳۱) رقعہ بنام شاہ محمود سلطان ہرات (ص ۳۴) بنام شاہزادگان کامران۔ (ص ۳۷) رقعہ سلطان محمد خاں (ص ۳۸) خط بنام میاں نقیب اللہ شاہ (ص ۴۱) نقل خط مولانا عبد العزیز صاحب محدث دہلوی اسمی منشی نعیم اللہ صاحب (ص ۴۲) رقعہ فتح خاں مورخہ ۳ ذی قعدہ ۱۲۴۲ھ (ص ۴۳) جواب بنام محمد خاں (ص ۴۸) رقعہ (ص ۵۰) بنام دوست محمد خاں والی کابل (ص ۵۳) بنام شاہ بخارا (ص ۶۱) عریضہ ملک فیض اللہ خاں ہہند کہ عمدۂ اراکین والی پشاور است (ص ۶۹) جواب از طرف امیر المومنین (حضرت سید احمد بریلویؒ) (ص ۷۷) بنام حبیب اللہ خاں پسر عظیم خاں برادر دوست محمد خاں والی کابل ۹ محرم الحرام ۱۲۴۳ھ از پنجتار (ص ۷۹) بنام حاجی خان کاکڑ کہ از اعظم ملازمان و عمدۂ مصاحبان دوست محمد خاں والی کابل و کوہستان بود ۹ محرم الحرام ۱۲۴۳ھ (ص ۸۰) بنام فیض اللہ خاں ہہند کہ از اعزہ ملازمین والی پشاور است در جواب پیغام زبانی مورخہ ۹ محرم الحرام ۱۲۴۳ھ از پنجتار (ص ۸۳) وصیت نامہ — یہ حضرت مولانا عبد الحی صاحب کا

وصیت نامہ ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ : " .... اما بعد ... مولانا عبدالحی بتاریخ ہشتم شہر شعبان سنہ یک ہزار و دو صد و چہل و سہ (۱۲۴۳ھ) در قریہ خار ضلع سوات یوسف زئی ... بدار البقائے جاودانی شتافتند .... قبل از وفات خود بحضور ... امیر المومنین سید احمد ... و جمعے دیگر از خدام آں حضرت مثل ... مولانا محمد اسماعیل دہلوی ... و حکیم محمد اشرف کاندھلوی و ... میاں شیخ نظام الدین بودھانوی و ... قاضی علاؤالدین بکھروی ... و محمد صابر تھانوی وصیت فرمودہ کہ آنچہ حق تصرف در جمیع اشیا عموماً و ولایت بنات و ابناء خصوصاً بذات آں جناب تعلق داشت ہمہ آں حق مذکور تمامہ وصایۃً و نیابۃً بعفت مآب عصمت قباب زوجہ ایشاں کہ والدہ عبدالقیوم است تعلق دارد ... تحریر بتاریخ شانزدہم شعبان ـــ "

(ص۸۴) اعلام نامہ کلاں (ص۹۱) اعلام دیگر (ص۹۳) اجازت نامہ (ص۹۵) نیابت نامہ (ص۹۸) خلافت نامہ (ص۱۰۳) جمعے غفیر از خواص و عوام بآں منصب امامت مشرف ساخت - چنانچہ بتاریخ دوازدہم جمادی الثانیہ روز پنجشنبہ سنہ یکہزار و دو صد و چہل و دو (۱۲۴۲ھ) جماعہ از سادات کرام و علمائے عظام .... بردست ایں جانب مسلم داشتہ ببیعت امامت بجا آوردہ امام خود قرار دادند ... "

(ص۱۰۳) نیابت نامہ .... (ص۱۰۵) .... ایں رسالہ اشغال مشتمل است بر سہ باب و ہر سہ باب مشتمل است بر دو فصل - باب اول در ذکر اشغال طریقۂ قادریہ فصل اول در اذکار طریق ذکر .... (ص۱۰۶) فصل ثانی در مراقبات (ص۱۰۸) باب دوم در اشغال طریقۂ چشتیہ فصل اول در اذکار (ص۱۰۹) فصل دوم در مراقبات (ص۱۱۱) باب ثالث در ذکر اشغال طریقۂ نقشبندیہ فصل اول در اذکار ... فصل ثانی در مراقبات (ص۱۱۶) طریقۂ نقشبندی (۱۱۷) شقہ خاص بنام نواب احمد علی خاں رام پوری در جواب (ص۱۲۱) بنام مولوی حیدر علی رامپوری (۱۲۳) بنام سردار میر عالم خاں باجوری کہ امیر کبیر است -

(ص۱۲۸) بنام احمد خاں بن لشکر خاں کمال زئی متوسل معتمد یار محمد خاں (ص۱۳۳) بنام درانیاں عالی جاہاں از عساکر یار محمد خاں (ص۱۳۵) نقل خطے کہ سلطان محمد خاں نوشتہ (ص۱۴۳) بنام سردار محمد خاں در جواب

(ص۱۴۶) بنام خاں خاناں غلجانی والی قلات دوم بار (ص۱۵۱) بنام سردار پایندہ خاں مورخہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ از پنجتار (ص۱۵۳) بنام سردار دوست محمد خاں (ص۱۵۹) بنام مسلمیں قوم غلجانی از موضع پنجتار (ص۱۶۱) نقل خطیکہ ملفوف نمودہ در خط خاں خاناں کہ قبل ازیں سہ خط نوشتہ شدہ است ، ارسال کردہ شد (ص۱۶۲) بنام شہزادہ کامران شاہ ہرات از موضع پنجتار (ص۱۶۹) بنام شاہ پسند خاں وزیر شاہ محمود مورخہ ۲ محرم ۱۲۴۲ھ (ص۱۷۲) رقعہ شاہ زماں یکم محرم ۱۲۴۲ھ (ص۱۷۳) جواب رقعہ شاہ زماں جمعہ ۲ محرم ۱۲۴۲ھ

(ص۱۷۶) شقہ شاہ زماں بنام فتح خاں (ص۱۷۷) بنام خان خاناں غلجائی ۲ محرم ۱۲۴۳ھ (ص۱۷۸) شقہ شاہ زماں بنام خان خاناں غلجائی (ص۱۸۵) استفتاء (ص۱۸۶) فتویٰ (ص۱۹۰) مکتوب (ص۲۰۲) مکتوب از بندۂ ضعیف محمد اسماعیل بجناب .... نواب وزیر الدولہ ..." (ص۲۰۶) خط بنام میر شاہ علی از محمد اسماعیل (ص۲۲۰) نقل خط شاہزادہ کامراں مورخہ تاریخ بست و ہفتم ربیع الثانی (ص۲۲۲) انا امیر المومنین سید احمد بمطالعہ سامی منزلت ... راجہ ہندو راؤ ... آں کہ ایں فقیر با چندے از بندگان رب قدیر در حوالی پشاور بخدمت گذاری اسلام و تائید ملت سید الانام مشغول است ... الخ (ص۲۲۴) بنام غلام حیدر خاں (ص۲۲۷) مکتوب (ص۲۳۰) شقہ شاہ زماں بادشاہ (ص۲۳۲) رقعہ شاہ میر خاں (ص۲۳۳) جواب از سید احمد (ص۲۳۵) بنام شاہ میر خاں (ص۲۳۷) استفتاء

(ص۲۴۱) خط حضرت امیر المومنین بنام مولوی صاحب محمد اسحاق مرقومہ ۳ رجب بدست میاں امان اللہ۔

(ص۲۴۴) بنام حافظ قطب الدین (ص۲۴۹) بنام سلیمان شاہ ۱۰ محرم ۱۲۴۳ھ (ص۲۵۴) بنام نواب امیر الدولہ بہادر امیر خاں (ص۲۵۷) بنام مولوی سید حیدر علی ۱۰۔ محرم ۱۲۴۳ھ (ص۲۵۹) بنام نقیر محمد خاں ۱۲ محرم ۱۲۴۳ھ (ص۲۶۳) بنام سید محبوب علی ہنگامیکہ در موضع کند متعلقہ آفریدیاں مقام داشتند۔ ۱۴ محرم ۱۲۴۳ھ (ص۲۶۶) بنام شاہ صبغۃ اللہ سندی ... (ص۲۷۱) ... از چند سال بتقدیر قادر فعال غلبۂ مشرکین ہند و کفار فرنگ بر اکثر ممالک اکثر ارباب ناموس و ننگ صورت بستہ جاہ و جلال ارباب علم و دیانت برہم گشتہ و عز و اقبال اصحاب حکم و ریاست درہم شدہ بنا بر علیہ بجناب والا القاب نگارش کردہ می شود کہ آخر ایں جان ناتواں مال سریع الزوال ... روزے گذشتنی و گذاشتنی است و در محکمۂ حساب و کتاب و سوال و جواب بحضور رب الارباب حاضر شدنی۔ ہر چند امروز در حفاظت آں کمال جد و جہد بجا آریم لیکن لابد روزے آں ہمہ را بگذاریم و بجنود عزرائیل و اعوان ملک الموت سپاریم پس چرا بکمال علو ہمت و وفور رضا و رغبت بدست خود نثار مولائے خود امروز نکنیم کہ فردا بکمال سکنت و مذلت و حسرت و ندامت (ص۲۷۲) بغیر خود بدہیم۔ ہر چند اقامت جہاد و ازالۂ کفر و فساد بر ذمہ جماہیر اہل اسلام عموماً واجب است اما بر مشاہیر حکام خصوصاً واجب ...

(ص۲۷۶) بخدمت رکن الدولہ محمد بہاول خاں عباسی بتاریخ ۸ محرم ۱۲۴۳ھ یکشنبہ (ص۲۷۷) مکتوب محمد اسماعیلؒ (ص۲۸۲) رقیمہ دوم بار از محمد اسماعیلؒ (ص۲۸۶) رقعہ محمد اسماعیلؒ (ص۲۸۹) ایضاً رقعہ چہارم (ص۲۹۰) ایضاً رقعہ پنجم

(ص ۳۰۶) رقعہ عربی (ص ۳۱۸) ایضاً (ص ۳۲۱) بنام شہزادہ محمود بخت (ص ۳۲۲) بنام شاہ نظام الدین سندی (ص ۳۲۳) جواب راجا نجف خاں پوری (عربی) (ص ۳۲۴) خط سلیمان شاہ کاشغر (ص ۳۲۶) رقعہ سعید محمد خاں برادر یار محمد خاں (ص ۳۲۷) جواب از سید احمد (ص ۳۲۸) رقیمہ نواب احمد علی خاں رامپوری (... مطابق سنت ... بردست مولوی حیدر علی صاحب کہ خلیفہ آں جناب است با آں حضرت بیعت بر جہاد نمودم و خود را بایں وسیلہ جمیلہ در زمرۂ مجاہدین فی سبیل اللہ داخل نمودم ...) (ص ۳۳۰) بنام سردار محمد خاں (ص ۳۳۲) ایضاً (ص ۳۳۳) بنام حافظ محمد عظیم و عبدالملک اخونزادہ وغیرہ (ص ۳۴۶) ایضاً (ص ۳۵۱) بمطالعہ جمیع مومنین مخلصین (ص ۳۵۲) امام نامہ ہا باسم ملا افضل اخونزادہ وغیرہ (ص ۳۵۳) اعلامیہ (ص ۳۵۳) اقرار صحیح از طرف پاینده خاں (ص ۳۵۴) خدمت افغانے موضع ہنڈہ کوہی بیسلا احمد اخونزادہ بتاریخ شانزدہم ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۵ھ مقرر نمودہ شد (ص ۳۵۵) اقرار نامہ محرم (ص ۳۵۵) اعطانامہ محرم (ص ۳۵۶) اعطانامہ ماہ رجب (ص ۳۵۶) ایضاً ماہ شوال (دیگر اعطانامے)

(ص ۳۵۹) بطرف مولوی مظہر علی صاحب (ص ۳۶۱) از محمد اسماعیل (ص ۳۷۳) استفسار (ص ۳۷۹) از امیر المومنین بنام رام سنگھ ... مکاتبہ مرسولہ رسید دریافت حالات گردید انچہ نوشتہ بود خوب می دانم لاکن من بندہ بہ درگاہم ہر کس کہ پیغام صلح فرستد از طرف خود جنگ پیش نمی کنم۔ آخر کار جنگ است۔ ار پاینده خاں بموجب پیغام خود راست بازی اختیار کرد بہا والاّ نہ از حکم الٰہی در دو گھڑی نیست و نابود خواہد شد۔ شما خاطر جمع دارید ہیچ گونہ از شما مزاحمت نیست، واگر دغابازی نمود خوار و پریشان خواہد شد از شمایاں بموجب گفتہ خود ہماں آشتی است بہر دو طریق خاطر جمع دارید، ہیچ گونہ اندیشہ نسازند ..." ۱۲ر شعبان سنہ ۱۲۴۵ھ

(ص ۳۸۰) بنام پاینده خاں (ص ۳۸۱) بخدمت جمیع خادمان ۲۵ر شوال سنہ ۱۲۴۵ھ (ص ۳۸۵) بنام سلطان زبردست خاں (ص ۳۸۷) رقعہ شاہ زماں بحضور امیر المومنین (ص ۳۸۹) جواب ۲۲ شوال ۱۲۴۵ھ

(ص ۳۹۲) رقعہ عربی (ص ۴۰۱) برائے طالبین راہ حضرت حق (ص ۴۰۴) بنام دوست محمد خاں

(ص ۴۱۰) بنام سردار سعید محمد خاں (ص ۴۱۱) نقل خط وحید الدین (عربی) (ص ۴۲۳) بنام عبد الکریم (ص ۴۲۵) بنام عجب خاں (ص ۴۲۶) رقعہ عربی (ص ۴۲۹) بنام محمد اسحاق (ص ۴۲۹) نقل خط سعید محمد خاں کہ در موضع درکہی رسیدہ بود (ص ۴۳۵) بنام مرزا غلام حیدر (ص ۴۳۷) بنام خان خاناں (ص ۴۳۹) رقعہ بنام

سلیمان شاہ (ص۴۴۲) ایضاً (ص۴۴۳) بنام حاجی علی خاں (ص۴۴۴) خط از محمد اسماعیل شہید بنام شاہ سیّد طالب اللہ (ص۴۴۵) از سیّد احمدؒ بنام سلطان محمد خاں (ص۴۵۵) رقعہ عربی (ص۴۶۱) ایضاً ص۴۶۲ پر یہ مخطوطہ تمام ہو جاتا ہے۔ اس میں یہ خطوط کسی ترتیب سے جمع نہیں کئے گئے ہیں، تاریخ مکتوب کا لحاظ بھی نہیں ہے۔ نہ مکتوب الیہم کے اسماء میں ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہی۔ ضرورت ہی کہ اس مجموعے میں سے اہم خطوط جن کا تعلق حضرت سید احمد بریلویؒ کی تحریکِ جہاد سے ہے، انتخاب کر کے مع اردو ترجمے کے شامل کئے جائیں اور اُن پر حواشی لکھ کر خطوط کا سیاق و سباق واضح کر دیا جائے۔

جہاں تک مجھے علم ہے یہ مجموعہ مکاتیب اپنی موجودہ شکل میں ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔

نوٹ

ایڈیٹر بُرہان سے خط و کتابت کا پتہ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے

علی منزل۔ ڈگی روڈ

علی گڈھ (یوپی)

مولانا آزاد کا ایک فیصلہ

جناب سید عطاء النبی صاحب ۔ کلکتہ

کلکتہ میں زکریا اسٹریٹ مسلمانوں کا ایک گنجان آباد علاقہ ہے۔ یہاں ایک وسیع و عریض چہار منزلہ مسجد ہے جسے عام طور پر مسجد ناخدا یا بڑی مسجد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں مسجد کے مصلیوں اور متولیوں کے درمیان کسی مسئلہ پر نزاع پیدا ہوا اور آخرالذکر کے خلاف ہائیکورٹ میں مقدمہ دائر ہوگیا۔ یہ مقدمہ چل ہی رہا تھا کہ سنہ ۱۹۲۰ء میں فریقین نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ایک شرعی مسئلہ میں غیر مسلم عدالت سے فیصلہ کرانا کچھ اچھا نہیں متفقہ طور پر ہائیکورٹ سے مقدمہ واپس لیکر مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا کا فیصلہ کتابچہ کی شکل میں شائع ہوگیا تھا۔ یہ ۵" × ۸" سائز کے ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی ایک کاپی میرے پاس ہے۔ سرورق کی عبارت ہے:-

"فیصلہ مقدمہ جامع مسجد کلکتہ ۔ مدعیان حاجی اللہ بخش و حاجی نصرت اللہ وغیرہم ۔ مدعا علیہم عثمان حاجی ابراہیم و محمد یعقوب وغیرہم جسے فریقین نے متفقہ طور پر ہائیکورٹ کلکتہ سے واپس لیکر مولانا ابوالکلام مدظلہٗ کی خدمت میں فیصلہ کے لئے پیش کیا تھا اور ......[1] نے مسلمانوں کی آگاہی کے لئے شائع کیا۔ وحیدی پریس نمبر ۳ ولی اللہ لین کلکتہ میں چھپا"۔

اختتام پر مولانا کے دستخط اس طرح ہیں:-

"دستخط ابوالکلام احمد۔ ۲۰ شعبان ۱۳۳۹ھ کلکتہ"

اس فیصلہ میں مولانا مرحوم نے مقدمہ کی مسل اور کاغذات متعلقہ کی مدد سے کلکتہ کی اس سب سے بڑی مسجد کی

---

[1] یہاں کی عبارت مٹ گئی ہے۔

پوری تاریخ بیان کردی ہے جس کا اجمال یہ ہے کہ ۱۸۵۵ء سے پہلے یہاں دو الگ الگ مسجدیں تھیں اترجانب کی مسجد ایک شخص مسمی روشن حکاک کی تعمیر کردہ تھی اور دکھن جانب کی مسجد منشی علی حسن کی تعمیر کردہ تھی دونوں مسجدوں کے درمیان ایک قطعہ آراضی کسی ہندو کی ملکیت تھی۔ روشن حکاک نے اپنی زندگی ہی میں پانچ ٹرسٹیوں کی ایک جماعت قائم کرکے مسجد کا انتظام اس کے سپرد کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد مسجد کی تولیت اسی جماعت کے سپرد رہی۔ البتہ منشی علی حسن کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی روشن آرا بیگم متولیہ ہوئیں۔ روشن آرا بیگم نے ایک اقرار نامہ کے ذریعہ جس کی ایک قابلِ ذکر شرط یہ بھی تھی کہ منتقل علیہم درمیانی قطعہ آراضی کو حاصل کرکے دونوں مسجدوں کو ملاکر ایک وسیع مسجد تعمیر کریں گے جنوبی مسجد کو بھی ٹرسٹیوں کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دونوں مسجدوں کو ملاکر ۱۸۵۵ء میں مسجد کو وسیع کرکے تعمیر کیا گیا۔

اس زمانہ میں کلکتہ میں میمن تاجروں نے دولت و عزت میں بہت فروغ پایا تھا۔ اس جماعت کے ایک سربرآوردہ تاجر حاجی زکریا مسجد کی تعمیر میں پیش پیش رہے اور متولیوں کی جماعت میں انھیں اثر و نفوذ حاصل رہا۔ اتفاق سے حاجی زکریا میمن ٹرسٹ فنڈ کے بھی منتظم تھے۔ ۱۸۷۳ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حاجی نور محمد ان کے جانشین ہوئے اور انھیں بھی مسجد کی تولیت اور میمن ٹرسٹ فنڈ میں اقتدار حاصل رہا لیکن ان پر اس اقتدار کا ناجائز فائدہ اٹھانے کا الزام دیکر ۱۹۰۷ء میں میمن جماعت نے عدالت میں حساب فہمی کا دعویٰ دائر کر دیا اور اگرچہ بعد میں فریقین نے صلحنامہ داخل کرکے مقدمہ واپس لے لیا لیکن حاجی نور محمد کا اقتدار چھن گیا اور جماعت کی طاقت بحال ہو گئی۔ اس صلحنامہ میں میمن جماعت نے مسجد کے ضمن میں روشن آرا بیگم کے اقرار نامہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کچھ شرائط اپنی طرف سے بڑھا دیں جن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ٹرسٹیوں کو صرف میمن جماعت کے افراد منتخب کریں گے

موجودہ مقدمہ کی بنیاد یہ تھی کہ ۱۹۱۸ء کے اواخر میں متولیوں نے امام کو برطرف کرنا چاہا جس سے مصلیوں نے اختلاف کیا۔ جب مقدمہ مولانا کے روبرو پیش ہوا تو سارے حالات سامنے آئے۔ مولانا مرحوم نے فیصلہ میں مدعیان کے دعاوی اور مدعا علیہم کے جواب دعویٰ پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ اور بہت جچا تلا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ گمان غالب ہے کہ اسے فریقین نے بخوشی قبول کیا ہوگا۔ اصل مقدمہ کی تفصیل یہ

قطع نظر مولانا مرحوم نے اپنے فیصلہ میں چند شرعی امور پر ضمناً بڑے کام کی باتیں بیان کی ہیں چونکہ نزاع کی ایک بنیاد یہ بھی تھی کہ متولیوں نے امام مسجد سے ایک اقرار نامہ لکھوالیا تھا کہ تین سال کی مدت کے بعد وہ انھیں برطرف کرنے کے مجاز ہوں گے۔ لیکن تین سال کی مدت گذرنے کے بعد جب متولیوں نے امام کو برطرف کرنا چاہا تو مصلی مانع ہوئے لہذا "امامت مساجد اور نظام شرع" کی ذیلی سرخی کے تحت مولانا نے امامت سے متعلق مسائل پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں:-

"سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ امام مسجد کی جو صورت وحالت شرعی نظام کی رو سے ہونی چاہیئے بدقسمتی سے اب باقی نہیں رہی ہے، اور کتب شرع میں امام مسجد سے مقصود جس حیثیت ومنصب کا شخص ہوتا ہے۔ اس سے آجکل کے اجیر اور تنخواہ دار امام بالکل مختلف حالت رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی ائمہ مساجد کے تقرر وانتخاب کے لئے جو شرعی نظم ونسق تھا، وہ بھی بوجہ اسلامی حکومت نہ ہونے کے ہندوستان میں مفقود ہوگیا ہے پس ضرور ہے کہ حالات کے بدل جانے کی وجہ سے جزئیات احکام بھی بدل جائیں اور جو احکام قرار دیئے جائیں وہ وقت کی حالت اور مقتضیات کے مطابق ہوں۔ یہ اصلِ شرعی اگر پیش نظر نہ رہے گی، تو نہایت سخت ہرج اور بے عنوانی کا سامنا ہوگا۔

"شریعتِ اسلامیہ نے مساجد وجماعت کی امامت کو ایک نہایت مقدس اور محترم منصب قرار دیا تھا، اور علم وعمل کے تمام فضائل ومحاسن اس مقام سے وابستہ تھے یہ صحیح اور کامل معنوں میں مسلمانوں کی جماعتی پیشوائی اور سرکردگی کا مقام تھا۔ اور وہی لوگ اس کے اہل واحق قرار دیئے گئے تھے جو اپنے علم وعمل، زہد وتقویٰ اور اخلاص وصداقت کی وجہ سے بزرگی وریاست کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ یہ بات نہ تھی کہ امامت ایک باقاعدہ پیشہ اور معیشت بن گئی ہو اور جس طرح ہر پیشہ ور مزدوری ومعاوضہ پر اپنی خدمات فروخت کردیتا ہے۔ اسی طرح خدا کی عبادت کی امامت بھی فروخت کی جاتی ہو۔ دارالخلافہ کی امامت خود خلیفہ وامامِ وقت کے وظائف میں داخل تھی اور دیگر بلاد میں نیابتہً گورنر اور والیانِ ملک انجام دیتے تھے۔ جامع مسجد کے علاوہ جو عام مسجدیں ہوتی تھیں اُن سب امام کا تقرر حکومت کی جانب سے ہوتا تھا۔ محلہ کی جو چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہوتی تھیں ان میں اُن نواح کے اہل اور احق بزرگ امامت کرتے تھے۔ اور حکومت ان کے حقِ امامت کا اعتراف کرتی تھی کتب فقہ

ہیں "امام محلہ" اور "امام ناحیہ" سے مقصود ایسے ہی امام ہیں۔ لیکن یہ لوگ تنخواہ دار امام نہیں ہوتے تھے اہل علم و تقویٰ ہوتے تھے جن کو ان کی بزرگی و پیشوائی کی وجہ سے امامت کا منصب خود بخود حاصل ہو جاتا تھا۔

"لیکن اب صدیوں سے حالت دوسری ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کے عالمگیر علمی و عملی تنزل، مفاسدِ علم و عمل کے شیوع، اخلاص و ایثار کے فقدان، دنیا پرستی و دین بازی کی مصیبت اور اسلامی حکومتوں کی جگہ غیر مسلم حکومتوں کے قیام سے مسلمانوں کا تمام نظامِ جماعت درہم برہم ہو گیا ہے اور تمام جماعتی و شرعی اعمال اپنی اصل حالت سے متغیر ہو کر بالکل ایک نئی صورت و شکل میں باقی رہ گئے ہیں۔ ازانجملہ اجیر و تنخواہ دار ائمۂ مساجد کا فتنہ ہے جس کی وجہ سے نماز و جماعت کی تمام برکات مفقود ہو گئی ہیں اور امامت کا مقدس اور ذمہ دار مقام مزدوری اور اجرت کا ایک کاروباری پیشہ بن کے رہ گیا ہے۔ مساجد کے انتظام کی عموماً یہ حالت ہے کہ ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص اُن کے متولی ہوتے ہیں، یا محلّہ اور شہر کے مسلمانوں کے ہاتھ اس کا انتظام ہوتا ہے اور وہ مختلف مقدار کی تنخواہوں پر اماموں کو نوکر رکھ لیتے ہیں۔ امام بھی مثل ایک پیشہ کے اس کام کو انجام دیتا ہے اور عبادتِ الٰہی کے عشق و طلب کی جگہ چند روپیوں کی نوکری کی کشش اُسے کھینچتی ہے اور محرابِ عبادت میں لیجا کے کھڑا کر دیتی ہے۔"

جب اعمال، مقاصد اور ہیئت و حالت میں اس درجہ تغیر ہو چکا ہے تو ظاہر ہے کہ جو احکام ائمۂ مساجد کے حقوق کی نسبت کتبِ شرع میں درج ہیں، یا جو جزئیات اپنے زمانہ کی حالت کے مطابق فقہا نے متفرع کی ہیں وہ کیونکر بجنسہٖ موجودہ زمانہ کے اماموں کے لئے مفید ہو سکتی ہیں؟ بلاشبہ محلہ اور "مسجد ناحیہ" کے اماموں کی نسبت کتبِ فقہ میں درج ہے کہ اُن کے حقوق ہر طرح لائقِ تقدیم و ترجیح ہیں لیکن اب وہ امام کہاں باقی رہے؟ فقہا کے پیشِ نظر تو وہ امام تھے جو بلا کسی مالی معاوضہ کے محض اپنے علم و تقویٰ کی وجہ سے اس منصب پر مامور ہوتے تھے۔ بلاشبہ ایسے اماموں کو قاضی بھی بلا سبب شرعی کے معزول نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ محض اپنی اہلیت کی وجہ سے نصب ہوتے تھے، اور جب تک اُن کی اہلیت باقی ہے معزول بھی نہیں ہو سکتے۔ لیکن موجودہ زمانے کا امام محض ایک مزدور ہے جو تنخواہ کے تقرر اور متولیوں کے انتخاب کی وجہ سے امام ہو گیا ہے اور امامت مثلِ معاملاتِ مزد و اجرت کے فریقین میں ایک باہم معاملت ہو گئی ہے پس

اگر متولی مقرر کر سکتے ہیں، تو معزول بھی کر سکتے ہیں۔ اور اُن کے اس امتیازی حق سے انکار نہیں کیا جاسکتا

"اگر متولیوں سے یہ اختیار سلب کر لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام انتظامات مساجد درہم برہم ہو جائیں گے اور جس شخص کا جی چاہے گا مصلیوں کے ایک گروہ کو ملا کر فوراً مسجد کا امام بن بیٹھے گا، اور چند دنوں کے بعد وراثت و نسل کا مدعی ہو جائے گا۔

"پس متولیوں کو شرعاً حقِ نصب و عزل، دونوں حاصل ہیں، البتہ اُن کا فرض ہے کہ تقرر امام سے پہلے اہل علم و شرع سے مشورہ کر لیں" اور ایسے شخص کو مقرر کریں جو بہتر و اصلح ہو، اور اُس کے تقرر سے تمام مصلی خوشنود ہوں لیکن شرعاً ان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نصب کرنے سے پہلے مصلیوں کی رائے بھی ضرور دریافت کریں کیونکہ انتخاب امام اُن کی رائے پر مفوض ہے، اور مساوی قابلیت کے اشخاص میں سے کسی ایک شخص کو ترجیح دینا اُن کے حقوقِ تولیت میں داخل ہے۔

"احادیث میں ایسے اماموں کے لئے سخت وعید آئی ہے جس کی امامت کو مقتدی مکروہ رکھتے ہوں پس اگر متولیوں نے کوئی امام مقرر کیا اور مصلیوں کی غالب جماعت نے اُسے پسند نہیں کیا، تو متولیوں کے لئے ضروری ہوگا کہ اس کی جگہ دوسرے شخص کو مقرر کریں"

ایک دوسرے ذیلی عنوان "کلکتہ اور بمبئی کے عرب امام" کے تحت فرماتے ہیں:۔

"یہاں چند الفاظ میں اس طرز عمل کی نسبت بھی لکھ دینا چاہتا ہوں جو امامت کے بارے میں کلکتہ اور بمبئی کی مساجد نے عرصہ سے اختیار کر رکھا ہے۔ ان دونوں مقامات میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ عموماً امامت کے لئے کسی عرب امام کو ڈھونڈھ کر رکھا جاتا ہے اگر وہ حجاز کا باشندہ ہو تو اُس کو مسجد کے لئے ایک بڑی ہی فضیلت سمجھا جاتا ہے۔ یہ عرب امام عموماً جاہل اور غیر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، علوم شریعت سے انہیں کوئی واقفیت نہیں ہوتی۔ صرف جمعہ کے چھپے ہوئے خطبے یاد کر لیتے ہیں، یا برزنجی کی کتاب مولد حفظ کر لیتے ہیں۔ بیچارے ناخواندہ اور سریع الاعتقاد میمنوں اور سورتیوں کے لئے کسی شخص کا مولود خواں ہونا اور عربی میں مولود کا پڑھنا بڑے ہی فضل و کمال کا درجہ ہے اس لئے وہ اُن کا ہاتھ چومتے ہیں اور مسجد کی امامت کے لئے اُن سے بہتر کسی شخص کو نہیں سمجھتے۔ اس حالت کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ باوجود بڑی بڑی تنخواہوں کے خرچ کرنے کے

یہ مسجدیں اہلِ علم و شرع سے یک قلم خالی ہیں، اور جاہل مولود خواں اماموں کی وجہ سے طرح طرح کے مفاسد پھیل گئے ہیں، لوگ علانیہ نماز غلط طریقہ پر پڑھتے ہیں، صفوں کو توڑتے ہیں، صف بندی نہیں کرتے۔ اقامتِ مکتوبہ یعنی جماعتِ فرض کے قیام کے وقت سُنن و نوافل پڑھنے لگتے ہیں، مساجد میں خلافِ شرع و سنت افعال کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن ان کو ٹوکنے والا اور ہدایت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اوّل تو یہ عوب امام خود ہی احکامِ شرع سے بے خبر ہوتے ہیں اور اگر واقف ہوں بھی تو اردو زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مصلّیوں کو نصیحت و ہدایت نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ امامت کے لئے جو وجوہ ترجیح ہیں اُن میں ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کی قرات عمدہ طور پر کر سکتا ہو لیکن ساتھ ہی کتاب و سنّت کی واقفیت بھی ضروری ہے

یؤم القوم اقرؤھم کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے:

"اس موقعہ پر مناسب ہوگا کہ ایک عام غلط فہمی دور کر دی جائے۔ حدیث میں آیا ہے یؤم القوم اقرؤھم (اوکما قال) یعنی جماعت میں امام وہ ہو جو سب سے زیادہ قاری ہو۔ اس زمانہ میں تنزل علم کی وجہ سے قاری وہ کہلاتا ہے جس نے قرآن کی عبارت کو اچھی لَے میں پڑھنا سیکھ لیا ہو اور عربی مخارج و تلفظ کی مشق کر لی ہو۔ پس حدیث کا بھی مطلب لوگوں نے یہی قرار دیا ہے کہ جو شخص ان معنوں میں قاری ہو، وہی امامت کا زیادہ اہل ہے۔ لیکن حدیث کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے اور جس شخص کو صدرِ اوّل کی بول چال سے ایک ادنیٰ مناسبت بھی ہوگی وہ کبھی اس کے یہ معنیٰ نہ کریگا۔ حدیث میں قرات سے مقصود محض عبارت اور حروف کی قرأت نہیں ہے بلکہ وہ قرأت ہے جو علم و تدبّر کے ساتھ ہو یعنی جو شخص قرآن کو علم و فہم کے ساتھ زیادہ پڑھتا پڑھاتا ہو اس کو امام بنانا چاہیئے۔ صدرِ اوّل میں علماء قرآن کا نام قرّاء تھا یعنی قاری۔ کیونکہ عربی داں ہونے کی وجہ سے ایسے قاری کا انھیں وہم و گمان بھی نہ تھا جو بلا مطلب سمجھے طوطے کی طرح عبارت رٹتا ہو۔

"حدیث و آثار کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرامین میں جا بجا اس طرح کے احکام ثبت ہیں کہ قاریوں کو ترجیح دی جائے۔ قاریوں کے وظائف زیادہ ہوں فوجی عہدے اُن کو دیئے جائیں جو کم سے کم زہراوین یعنی سورۂ بقرہ و آلِ عمران کے قاری ہوں۔ کیا کوئی صاحبِ عقل گمان کر سکتا ہے کہ یہاں قاریوں سے مقصود محض الفاظ و عبارت کے قاری تھے؟ اور کیا

جو شخص سورۂ بقرہ و آل عمران کی عبارت پڑھ لے اُس کو فوج کی کمان کرنے کی قابلیت حاصل ہو جاتی ہے؟ اگر ایسا ہی ہو تو مکتب کا ہر بچہ اور ہر میانجی سپہ سالار ہو سکتا ہے کیونکہ بقرہ و آل عمران کی جگہ پورا قرآن اُسے ازبر ہے!

"اس بات کا بہترین فیصلہ یوں ہو سکتا ہے کہ امامت کے لئے جس وجود نے اقرء ہونے کی قید لگائی تھی خود اسی کا طرزِ عمل دیکھا جائے تاکہ سنۃ قولی کی سنتِ فعلی سے تفسیر ہو جائے۔ یہ بات ہر مسلمان اہلِ علم کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی ہی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنایا تھا اس لئے ضرور ہے کہ وہ تمام مجمع صحابہ میں سب سے زیادہ قاری ہوں کیونکہ امام اسی کو بنانا چاہیئے جو اقرء ہو اور آنحضرتؐ کا فعل قول کے مخالف نہیں ہو سکتا۔ اب جن معنوں میں حضرت ابو بکر کا قاری ہونا ثابت ہوگا وہی صحیح معنیٰ قاری کے ہونگے۔

" لیکن یہ بات بالاتفاق معلوم ہے کہ مجمع صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ کو باعتبار حسنِ صوت کے کوئی خاص مزیت حاصل نہ تھی ان سے بہتر آواز رکھنے والے صحابی موجود تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے آنحضرتؐ نے سورۂ نساء سُنی اور چشم پُرآب ہو گئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا حسنِ صوت مسلم ہے، حتیٰ کہ آپ نے فرمایا ان کو نغمۂ داؤدی عطا ہوا ہے۔ البتہ حضرت ابو بکر کو جو کچھ فضیلت تھی وہ علم و فہمِ قرآن اور ذوقِ وحی و شریعت میں تھی۔ پس اگر قاری کے وہی معنے کئے جائیں جو آجکل کئے جاتے ہیں تو چاہیئے تھا کہ حضرت ابو بکر کی جگہ ابو موسیٰ اشعری وغیرہ امام بنائے جاتے ہیں۔ مگر آنحضرت نے ایسا نہیں کیا اور اس سے ثابت ہو گیا کہ اقرء سے مقصود اعلم بالکتاب ہے۔

" چنانچہ اسی بنا پر علمائے محققین نے یؤم القوم اقرؤھم اور واقعۂ امامت ابو بکر کو جمع کیا، اور اس سے ان کے کمالِ علم و فہم قرآن پر استدلال کیا۔ نیز واضح کر دیا کہ اقرء سے مقصود اعلم ہے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں:۔" کان الصدیق اقرء الصحابۃ۔ ای اعلمھم بالقرآن۔ لانہ صلعم قدّمہ اماماً للصلوٰۃ مع قولہ یؤم القوم اقرؤھم لکتاب اللہ" (قالہ فی التفسیر)

یعنی حضرت ابو بکر تمام صحابہ میں سب سے زیادہ قاری تھے۔ پھر قاری ہونے کے یہ معنی کئے ہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھتے تھے۔ استدلال ان کا یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا امام وہ ہو جو سب

سے زیادہ قاری ہو۔ اور پھر حکم دیا کہ حضرت ابوبکر امام ہوں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ وہی سب سے زیادہ قرآن کے عالم و ماہر تھے۔ انتہیٰ۔

"اسی بناء پر حضرت امام ابوحنیفہ نے استحقاقِ امامت کے بارے میں علم کتاب و سنۃ کو ترجیح دی اور کہا کہ جو سب سے زیادہ کتاب و سنۃ کا علم رکھتا ہو اسی کو آگے کیا جائے۔ پس احناف کو تو اس بارے میں کوئی رد و کد کرنی ہی نہیں چاہیئے۔

"تعجب ہے کہ باوجود اس کے لوگوں نے اس معاملہ کی جانب سے بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں اور صرف اس بات کی جستجو میں رہتے ہیں کہ حافظ اور قاریٔ الفاظ کون ہے اگرچہ وہ علمِ قرآن و سنۃ سے بالکل کورا ہی کیوں نہ ہو۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ مقدس مقام یکسر عوام و جہال کے قبضے میں آگیا ہے اور شریعت نے ائمۂ مساجد کے ذریعہ قوم کی تعلیم و ہدایت کا جو انتظام کیا تھا وہ بالکل درہم برہم ہو گیا ہے۔"

مدعیوں کی ایک شکایت یہ بھی تھی کہ متولیوں نے مسجد میں علماء کا وعظ بند کر دیا ہے۔ مولانا اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شرعاً کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ شریعت نے جن امور کی مسجد میں اجازت دے دی ہے اُن پر پابندی لگا دی جائے اور وعظ و ہدایت بھی انھیں امور میں داخل ہے۔ اسی ضمن میں "پولیٹیکل مجالس اور مساجد" کے ذیلی عنوان کے تحت مسجدوں میں سیاسی مجالس کے انعقاد کے جواز پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"یہاں یہ بات بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کچھ دنوں سے منعِ مجالس و مواعظ کی ایک نئی صورت بھی پیدا ہو گئی ہے اور متعدد مقامات کی مسجدوں کے متولیوں نے اُس سے کام لیا ہے مسجدوں میں جو مجالس اسلام اور مسلمانوں کے حقوق قومی و ملکی کے تحفظ کے لئے منعقد ہوتی ہیں، یا ایسی تقریریں کی جاتی ہیں جن میں مخالفین و اعدائے اسلام کے برخلاف مسلمانوں کو حفظِ اسلام و ملت پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ یا گورنمنٹ کے جبر و استبداد کے خلاف اظہارِ حق کیا جاتا ہے، اس کو بعض متولیانِ مسجد یہ کہہ کر روک دیتے ہیں کہ یہ پولیٹیکل مجلسیں ہیں، اور مسجد میں نہیں ہونی چاہئیں۔ میں یہاں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ کسی متولیِ مسجد کو ایسی مجالسِ حقّہ کے روکنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے اور ایسی تمام مجلسوں

کے انعقاد کی بہتر و صحیح جگہ صرف مسجد ہی ہے۔

" وہ تمام جماعتی اور مجلسی کام جو اسلام اور مسلمانوں کے نفع کے لئے ہوں مسجد میں کئے جا سکتے ہیں خواہ وہ پولیٹیکل ہوں خواہ غیر پولیٹیکل۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مسجد ہی مسلمانوں کی پارلیمنٹ تھی۔ مسجد ہی میں ہر طرح کے مسائل پر غور کرنے کے لئے مجالس منعقد ہوتی تھیں۔ مسجد ہی میں خراج وغنیمت تقسیم کیا جاتا تھا اور مسجد ہی میں میدانِ جنگ کے لئے فوجیں مرتب کی جاتی تھیں۔ چنانچہ صحیح بخاری کے ابواب احکامِ مسجد سے یہ امور بخوبی ثابت ہیں اور ان احکام سے تمام کتبِ شرع معمور ہیں۔ میں اس مسئلہ کو بعض رسائل میں مشرح طور پر لکھ چکا ہوں"۔

اس مختصر تعارف میں کتابچہ مذکور سے صرف منتخب اقتباسات پیش کئے ہیں اور ان امور کو نظر انداز کیا ہے جو اگرچہ کتابچہ کے خاص موضوعِ بحث ہیں لیکن عام دلچسپی کے حامل نہیں ہیں ورنہ پورے کتابچہ کا مطالعہ مولانا کی قوتِ فیصلہ اور اصابتِ رائے پر وافر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا اصول پسند تھے اصول پرست نہیں تھے۔ یعنی اصول کی پیروی میں اتنے شدت پسند نہیں تھے کہ اصل مقصد فوت ہوجائے۔ مولانا کی مجتہدانہ شان کا رنگ اس فیصلہ کی عبارت میں جابجا جھلکتا ہے۔ اس مضمون میں جو مباحث زیر بحث آئے ہیں اُن کی افادیت بذاتِ خود مسلم ہے۔

مولانا کی عبارت کے جن اقتباسات کو میں نے نقل کیا ہے اُن کی املا کو بجنسہ برقرار رکھا ہے۔

تاریخ الاسلام (مکمل)

(مصنفہ مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند) اسلامی رجحانات اور ایمان ویقین پیدا کرنے والی عام فہم تاریخ جو واقعات کے اعتبار سے نہایت معتبر ہے، زبان کے لحاظ سے نہایت سلیس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا مکمل عکس جمیل ہے۔ بچوں کے لئے خاص طور پر مفید ہے۔

قیمت حصہ اول ۱۰/ حصہ دوم ۱۲/ حصہ سوم ۸/ مکمل قیمت دو روپے چھ آنے

مکتبہ برہان۔ اردو بازار۔ دہلی ۶